آصف پرویز، پی،ایچ ڈی،ریسرچ اسکالر،عالیہ یونیورسیٹی،کولکا تا،مغربی بنگال

شمس الرحمن فاروقی کا افسانہ’’غالب افسانہ‘‘ایک تہذیبی وتاریخی مطالعہ

شمس الادب وفن شمس الرحمن فاروقی صاحب نے دیگر صنف ہائے ادب کی شہسواری کے ساتھ افسانہ نگاری میں بھی اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں جوان کی مشاقی اور خلاقانہ صلاحیت کا نایاب وکمیاب نمونہ ہے۔اردو افسانے کی روایت میں فاروقی صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں۔روایتی افسانوں سے صرف نظر وہ تاریخی،تہذیبی وثقافتی موضوعات سے اپنے افسانوی کائنات آباد کرتے ہیں۔ان کے لکھے گئے افسانے تاریخی دستاویزات کی حیثیت رکھتے ہیں۔فاروقی صاحب کے افسانے’شب خون‘میں فرضی ناموں سے شائع ہوا کرتے تھے۔لیکن فاروقی کا مخصوص ومنفرد اسلوب کب کس سے چھپا رہ سکتا تھا۔

لہذا جلد فاروقی صاحب نے صنف افسانہ میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا اور اس فن کو نئے فکر وافکار سے آشنا کیا نیز جدت طبع سے فکشن نگاری ایک نئی پہچان دیا۔فاروقی صاحب کی تحریر کی ایک اہم خصوصیت ان کا اسلوب بیان ہے جس پر داستانوی رنگ غالب ہے لیکن یہاں بھی فاروقی صاحب کی انفرادیت کا ڈنکا بجتا نظر آتا ہے۔فاروقی صاحب اس فن میں بھی نہ صرف اپنے ہم عصروں میں منفرد نظر آتے ہیں بلکہ ان کے افسانے زبان و بیان، موضوعات ومضامین کے اعتبار سے بھی اردو افسانے میں اپنی حیثیت منوانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

فاروقی صاحب کے افسانوں کا تنہا مجموعہ’’سوار اور دوسرے افسانے‘‘کے عنوان کے تحت کراچی سے’’آپ کی باتیں‘‘نے ۲۰۰۱ءنے شائع کیا۔اس مجموعے میں شامل افسانوں کی تعداد(۵)ہے۔جو غالب افسانہ،سوار،ان صحبتوں میں آخر،آفتاب زمیں،لاہور کا ایک واقعہ کے نام سے بالترتیب کتاب میں شامل ہیں۔اس مجموعے میں شامل پہلا افسانہ’غالب افسانہ‘ایک تاریخی وتہذیبی حیثیت کا حامل افسانہ ہے جو اردو کے عظیم المرتبت شاعر مرزا غالب کی شخصیت کے پہلو بہ پہلو اس عہد کی تصویر بیان کرتا ہے۔اس افسانے کی وجہ تخلیق کی بابت بیان کرتے ہوئے فاروقی صاحب لکھتے ہیں۔

> ’’۱۹۹۷ءکا سال آیا تو غالبیات پر تازہ رنگ آیا۔دسمبر ۱۹۹۷ءمیں غالب کی پیدائش کو ۲۰۰ برس ہوجاتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے ارادہ کیا کہ کبھی ۱۹۹۷ء/۱۹۹۸ءمیں’شب خون‘کا ایک شمارہ شائع کروں جس میں غالب سے متعلق کچھ واقعی عمدہ تحریر ہوں۔کئی کوشش کے بعد کچھ مضامین جمع ہوئے اور میں ستمبر ۱۹۹۸ءمیں پرچہ ترتیب دینے بیٹھا تو معلوم ہوا کہ پرچہ میرے حسب دلخواہ بننے میں کئی موانع ہیں۔اول تو یہ کہ غالب پر صفحات بہت کم ہیں دوسری مشکل یہ کہ جو مضمون میرے خیال سے سب سے اچھا تھا،وہ الہٰ آباد کے ایک نواجون ہندی ادیب کرشن موہن کا تھا۔یہ مضمون فہرست میں سب سے اوپر رکھے جانے کا حقدار تھا۔لیکن یہاں تقدیم وتاخیر کا نازک مقام آپڑا تھا۔اردو فارسی کے دو بزرگ پروفیسروں کے مضامین کو موخر کرنا اور ہندی کے ایک ریسرچ اسکالر کی تحریر کو ان پر فوقیت دینا کچھ بے ڈھنگا سا لگتا تھا اور بعض لوگوں کی خفگی کا بھی موجب ہوتا۔اب یہی صورت تھی کہ میں خود ہی غالب

پر ایک لمبا چوڑا متن تیار کروں اور جلد از جلد تیار کروں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اچانک مجھے خیال
آیا کہ غالب کے بارے میں افسانے اور حقیقت پر مبنی ایک بیانیہ کیوں نہ لکھوں جس میں کچھ غالب
سے متعلق ادب کے معاملات، کچھ اس زمانے کی ادبی تہذیب اور کچھ تاریخ سب حل ہو کر یکجان
ہو جائیں۔'' (سوار اور دوسرے افسانے۔ص۔۱۹،۲۰)

غالب افسانہ نہ صرف ایک افسانے کی حیثیت سے اپنے ادبی پہچان بنانے میں کامیاب ہوا ہے بلکہ تاریخی و تہذیبی نیز غالب کی شخصیت اور اس عہد کی زندہ و دلآویز اور چلتی پھرتی زندگی کا استعارہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ غالب افسانہ پہلی بار ۱۹۸۸ء میں شب خون کے شمارہ نمبر ۲۲۰ میں شائع ہوا۔ جو انہوں نے فرضی نام بینی مادھو رسوا کے نام سے لکھا تھا، لیکن جلد ہی ان کی تحریر اپنے مخصوص انداز بیان کی وجہ سے پہچان لی گئی۔

غالب افسانہ اپنے میں مسلمانوں کی ایک عظیم تاریخ رکھتا ہے۔ جس میں عہد غالب کی تاریخی و تہذیب کو ادبی زاویے نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی شعور و فہم کی بازیافت نیز ہماری گنگا جمنی تہذیب کا حسین مرقع نظر آتا ہے۔ کہانی میں دو اہم اور مرکزی کردار غالب ایک مسلم جب کہ دوسرا اہم کردار بینی مادھو رسوا ایک ہندو کا ہے۔ دراصل کہانی کا راوی یہی بینی مادھو رسوا ہے اور کمال یہ ہے کہ بینی مادھو رسوا کے پس پردہ فاروقی صاحب کلام کرتے نظر آتے ہیں گویا بینی مادھو رسوا کا غالب سے ہم کلام ہونا اور دیگر گفتگو فاروقی صاحب کی ناقدانہ بصیرت افروزی کو عیاں کرتا ہے۔

غالب دلی میں ۱۸۵۷ء کے چشم دید گواہ تھے انہوں دلی کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا عہد غالب کی تباہ حال و برباد عمارتیں جو کھنڈر بن چکی تھیں فاروقی صاحب نے اس کا ذکر فنکارانہ انداز میں کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے دلسوز اور لرزہ خیز واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میاں صاحب رستہ اب کسے سجھائی دے ہے اور سجھائی بھی دے ہے تو کیسے؟ مسجد سے
راج گھاٹ تک اب لق دق صحرا ہے اینٹوں کے ڈھیروں میں اور ان کے اندر سانپ بچھو
کے مسکن، مرزا گوہر صاحب عالم کے باغ کی نچلی سمت کئی بانس نشیب تھا اب وہ باغیچے
کی چاندنی کے برابر ہو گیا ہے۔ آہنی سڑک کے واسطے کشمیری دروازے سے لے کر کابلی
دروازے تک میدان ہی میدان ہے پرانی گلیاں اب لوگوں سے اٹی پڑی ہیں راستے
کھو گئے ہیں اگلا جائے تو کہاں جائے۔'' (سوار اور دوسرے افسانے، ص: ۴۴)

بالاسطور اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ فن کے اعتبار سے جہاں یہ افسانہ کامیاب نظر آتا ہے تو دوسری طرف فاروقی صاحب نے ایک دلخراش تاریخی حقیقت کو جس فنکارانہ انداز میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ خود فاروقی صاحب کی مورخانہ فکر و بصیرت پر دال ہے۔

افسانے میں بینی مادھو رسوا کا واحد متکلم کا کردار ہے۔ اس کردار کی تخلیق میں فاروقی صاحب نے بڑی محنت کی ہے ابتدا تا انتہا یہی کردار پورے افسانے میں چھایا نظر آتا ہے۔ اس کردار کے ذریعہ غالب کی علمیت و فضیلت کو عالمی سطح پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بینی مادھو رسوا کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے طاہرہ نورانی یوں رقم طراز ہیں۔

''افسانہ کا سارا دارومدار بھی اسی کردار پر ہے اس لیے فاروقی صاحب نے اس کردار
پر خاص توجہ صرف کی ہے اور اسے بطور ایک ہر فن مولا کے پیش کیا ہے۔ ہمیں تو یہ محسوس
ہوتا ہے کہ غالب کے مقابلے بیٹھا مباحث کرتا ہوا یہ شخص کوئی اور نہیں دراصل راجپوتانہ
لباس میں خود شمس الرحمن فاروقی ہیں۔ یہاں مصنف کی شخصیت عیاں ہو رہی ہے۔

۔۔۔۔۔۔افسانے کی اشاعت میں فاروقی فرضی نام کی آڑ میں چھپے بیٹھے تھے۔اور پھر افسانے میں بینی مادھو کی علمیت اور تنقیدی شعور میں فاروقی کے ادبی مزاج اور تنقیدی نظر میں اس حد تک مماثلت پائی جاتی ہے کہ ہم انہیں دو علیحدہ شخصیت تصور نہیں کر سکتے اور اس راز سے پردہ اٹھنے کے بعد بھی کہ افسانہ نگار بینی مادھو رسوا اصل میں شمس الرحمن فاروقی ہی ہیں تب بھی بینی مادھو ہمیں فاروقی کا ہی عکس نظر آتا ہے۔

(شمس الرحمن فاروقی کی افسانہ نگاری کا جائزہ،ص:۲۶،۲۷)

افسانے میں بینی مادھو رسوا سے غالب کی ملاقات اس افسانے کی خوبی کے حوالے سے کئی اہم نکات وا کرتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ دراصل فاروقی صاحب غالب سے ملاقات کے خواہ تھے۔جو اس افسانے کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ بینی مادھو رسوا کے پس منظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے فاروقی صاحب اپنی تشنگی دور کر رہے ہیں اور جیسے کہ کسی الجھن کا شکار ہوں اور اپنے سوالوں کے ذریعہ اسے سلجھانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔اس کے دوسری اہم خوبی پورے افسانے میں غالب کا نظریہ جہاں غالب ہندوستان کے فارسی گوشعرا کی تنقیص بیان کرتے ہیں اور جس پر خود بینی مادھو رسوا کو ختلاف بھی ہے۔

’’گستاخی معاف،پیر و مرشد میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ بہار اور برہمن اور بیدل جو دن رات فارسی بولتے اور سوچتے تھے،انہیں اہل زبان کہنا چاہیے۔میں اپنا خدشہ پھر عرض کروں گا کہ حضرت والا اگر اہل ہند کی فارسی کو برا کہتے رہے تو مبادا لوگ آپ کی بھی فارسی کو غیر معتبر کہہ دیں۔ ‘‘

(سوار اور دوسرے افسانے،ص:۵۱)

افسانے کی ایک اور خوبی ہندوستانی رہن سہن اور کھانے پینے کا بیان ہے جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے عہد غالب میں لوگ کس طرح کے لوازمات کھانے کے شوقین تھے اور خود غالب کی نظر میں انگور پر آم کو تفوق ہے اس کی طرف بھی عمدہ اشارے ملتے ہیں۔دوسرے دن ملاقات کے لیے جاتے مادھو رسوا صاحب بازار سے انگور خرید لیتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی گذشتہ دن کی بحثا بحثی کی کدورت زائل ہو جائے۔دوسرے دن کی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے فاروقی صاحب لکھتے ہیں جس میں اس زمانے کی اہم مشروب لکیور کا ذکر بھی آتا ہے۔

’’انگور دیکھ کر وہ خوش تو بہت ہوئے۔لیکن ان کا مرغوب میوہ اور ہی بات رکھتا تھا۔فرمایا:بہت عمدہ پھل لائے ہو بچوں کے کام آئے۔ایک دودانے میں بھی کھالوگا۔لیکن کاش ہر موسم آم کا موسم ہوتا۔(سوار اور دوسرے افسانے ص:۵۳)

آگے اس زمانے کی اہم مشروب لکیوریا کا ذکر یوں آتا۔

’’ آدمی خوش ذوق ہو تو تمہارے جیسا ہو۔شام کو آتے تو تمہیں لکیوریا پلاتا،کہ لطف بھی آپ ہی جیسا ہے،رنگت کی بہت خوب،قوام کی بہت لطیف،طعم کی ایسی میٹھی جیسے قند کا پتلا قوام۔‘‘

(سوار اور دوسرے افسانے ص:۵۳)

کھانے کے بعد مہمانوں کے ہاتھ دھلانے کا بھی ایک خاص نظم ہوا کرتا تھا پھر صندلی اور بھنڈے کا دور شروع ہوتا۔دیکھیے۔

’’کھانے کے بعد بیسن سے ہاتھ دھوئے گئے۔پھر اس طرح انگنائی میں پلنگ اور صندلی کا اہتمام ہوا۔بھنڈے کا دور چلا اور باتیں شروع ہوئیں۔‘‘ (سوار اور دوسرے افسانے ص:۵۴)

درج بالا بیان اس بات کے شاہد ہیں کہ فاروقی صاحب ہندوستانی تہذیب وثقافت کا عمیق مطالعہ رکھتے ہیں۔اس بیان سے اٹھارویں اورانیسویں کی تہذیب کا عکس بھی عیاں ہے۔

عہد غالب کی تاریخی حیثیت اس اعتبار سے کافی اہم ہے یہ ایک حکومت اور تہذیب کے مٹنے کا دور ہے تو دوسری طرف نئی اور مغربی تہذیب کے عروج کی کہانی بھی۔مغل حکومت کا شیرازہ بکھر رہا تھا تو انگریزی سامراجیت اپنے قدم جما رہی تھی۔اس بنتے بگڑتے عہد میں ہماری گنگا جمنی تہذیب جو مغل دور کی ایک بے مثال یادگار بھی ہے مٹتی جارہی تھی۔لیکن اس کے باوجود قدیم رسم ورواج کی پاسداری اور اس پر عمل درآمد جاری تھا۔مرزا غالب کے انتقال کی خبر جب بینی مادھو رسوا کو ہوئی تو انہوں نے اپنے دلی رنج وغم کا اظہار ان لفظوں میں کیا۔

> ''مرزا صاحب مغفور کے ارتحال کی تاریخیں بہت کہی گئیں۔مولوی حالی نے غضب کا مرثیہ کہا۔میرا جی بہت چاہا کہ میں بھی غضب کا مرثیہ کہوں۔لیکن کبھی ایک دو مصرعے سے آگے نہ بڑھ سکا۔خدا معلوم کیوں رقت طاری ہوجاتی۔لگتا ہے اپنے باپ دادا کا بھی مرثیہ کہہ رہا ہوں۔ مرزا صاحب کے گذرنے کے کئی دن بعد تک میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کا تعزیہ کیسے دوں آخر دادا میاں کی درگاہ پر پانچ سیر شیرینی اور پانچ سیر کی شیرمالیں فاتحہ کرائیں اور تقسیم کردیں گھر آکر مرزا صاحب کی یادگار تحریر کو آنکھوں سے لگا کر دو آنسو رولیا۔''

(سوار اور دوسرے افسانے،ص:۶۱)

پیش نظر اقتباس کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قدیم روایات کا شیرازہ بکھر رہا تھا لیکن اس کے باوجود ایسے لوگ بھی اس عہد میں موجود تھے جو نہ صرف اپنے اسلاف کی روایات کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے بلکہ ان کی پیروی خود ان کے لیے باعث افتخار تھی۔

فاروقی صاحب آسان اور عام فہم لفظوں میں بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ان کا اسلوب رواں اور جملے چست ودرست ہیں۔افسانے کا پلاٹ سپاٹ نہیں وقتاً فوقتاً اشعار کا برمحل استعمال پیس کش کو جاذب نظر بناتا ہے۔کہانی کے بیان میں تمام واقعات آپس میں مربوط ہیں۔ایک اہم خوبی جزئیات نگاری ہے جس منظر کو بیان کرتے اس کی تصویر قاری کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔افسانے میں داستانوی رنگ غالب نظر آتا ہے۔فاروقی صاحب کم کم لفظوں میں اپنی بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ایک تاریخی واقعے کو موصوف نے جس طرح حقیقت کے دبیز پردے میں پیش کیا ہے یہ فاروقی کے فن پر کامل گرفت کا مسلم الثبوت ہے۔صنف افسانہ ان کا میدان نہ تھی لیکن اس کے باوجود فاروقی صاحب نے کامیاب افسانے لکھے جس کے مطالعے کے بعد ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ تنقید وتشریح کی طرح اگر اس صنف پر اپنی توجہ صرف کی ہوتی تو شاید ہم فاروقی صاحب کا نام بھی پریم چند،کرشن چندر،منٹو اور بیدی وغیرہ کے ساتھ لے رہے ہوتے یا ان سے بھی آگے۔

ASIF PARVEZ
PH.D RESEARCH SCHOLAR ,
ALIAH UNIVERSITY, KOLKATA, WEST BENGAL
MOBILE- 9804511171